اصلاح کا اشرافی بیانیہ: شرر کی غیب دان دلھن

ڈاکٹر محمد نعیم

Dr. Muhammad Naeem

Abstract:

Urdu Scholarship, which depends heavily on positivist paradigm, usually does not consider the social variables in interpreting the literary works. The social hierarchy prevalent in North India has strong imprints on Urdu literati of 19th century. In this article Sharar's Ghaib Daan Dulhan has been analysed from a social perspective. Representational techniques used by Sharar to differentiate characters belonging to different social backgrounds has also been discussed here.

اردو کی ادبی ثقافت کے جائزے میں سماجی درجہ بندی ـــــ اشراف اجلاف تقسیم ـــــ کو نظر انداز اور حاوی نقطۂ نظر کی جبریت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ترقی پسندوں کے تجزیوں میں معاشی افتراق کو بنیاد بنانے کا رجحان ملتا ہے تاہم سماجی عزوشرف کے پیمانوں کی بنیاد پر پائی جانے والی مرتبہ بندی کو یہاں بھی کم کم ہی جگہ مل سکی ہے۔ تحقیق کے پرانے زاویۂ نظر نے حقائق کی تلاش میں ایسے متعدد متغیرات کو اعتنا کے قابل نہیں جانا جن کی بنیاد پر ادبی تعبیر اور سماجی تفہیم کے متنوع در کھلنے کا امکان تھا۔ ادیبوں کے بیانات اور فکشن میں کرداروں کی پیشکش کو ایک ہی زاویے سے آنکنے کی عادت حقائق کی تشکیل میں مصنف کی سماجی حیثیت، معاشی حالت، ذاتی پسند اور صنفی امتیاز جیسے بنیادی عوامل کے کردار سے صرفِ نظر کو معمول بنا دیتی ہے۔[۱] معمول کے اس اسلوب پر انتقاد ضروری ہے۔ سماجی مرتبہ بندی کے علاوہ ایک اور پہلو جو نظر انداز ہوا وہ نسوانی کردار اور عورتوں کے بارے پائے جانے والے تصورات کا تقابل ہے۔ انیسویں صدی میں عورت کو کم عقل سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصور آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اس کی موجودگی کے باوصف اردو ناولوں میں نسوانی کردار عقل و فہم رکھتے ہیں اور نہ صرف گھر بلکہ گھر سے باہر کے معاملات کو بھی فراست سے سنبھالتے ہیں۔ ایک ایسا موٹف جو اکثر انیسویں صدی کے اردو ناولوں میں موجود ہے وہ شوہر کی زندگی کو کامیاب بنانے میں سمجھدار بیوی کا نمایاں کردار ہے۔ نذیر احمد، شاد عظیم

سرشار اور شرر کے ناولوں میں یہ تقسیم موجود ہے۔ تسلسل سے اس تصور کی موجودگی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بدلتے زمانے میں عورت کا ایک نیا رول سامنے آرہا تھا۔ شریف زادوں کو کامیاب بنانے کے لیے بیبیاں کیا کیا کرسکتی تھیں، یہ ناول اسی کا بیان ہیں۔

اُردو کے دیس اتر پردیش (یوپی) میں مسلم سماج تین بڑے زمروں میں منقسم ہے: اشراف، اجلاف اور ارزال۔ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے طویل دورِ حکومت میں عرب، ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا سے ہجرت کر کے آنے والے اشراف کہلائے۔ امتیاز احمد نے اپنی تحقیق میں دکھایا ہے کہ کس طرح اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بہت سے نومسلم خاندان سماجی شرف کے حصول کے لیے اشراف بن گئے۔[۲] یوپی کی کل مسلم آبادی کا بڑا حصہ اشراف پر مشتمل ہے۔[۳] انیسویں صدی میں اردو ناول لکھنے والے زیادہ تر اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شاید یہ انکشاف عجیب لگے کہ اس صدی کے ناولانہ کردار بھی بیشتر اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر، تصورِ کائنات اور مسائل کی نوعیت بھی اسی گروہ سے متعلق ہے۔[۴] نوبت بہ اینجا رسید کہ تاریخی ناول کے کردار مختلف برِاعظموں اور زمانوں سے ہونے کے باوصف اپنے مزاج اور طرزِ فکر میں اشراف سے مماثل ہیں۔[۵] پسندیدہ کردار مردانہ ہوں یا زنانہ ناول نگار ان کا انتخاب اشراف میں سے ہی کرتا ہے۔ شرر کے ناول غیب دان دلھن (۱۹۱۱ء) کے تجزیے سے ان نکات کی مزید وضاحت ہو سکے گی۔

اس ناول کا مرکزی کردار مسعود 'شریف' (اشراف کی واحد) ہے۔ اس کا تعلق ایک اعلیٰ اور مہذب خاندان سے ہے۔ اشراف اجلاف کی تقسیم نسل کے تصور پر اساس رکھتی ہے۔ جو جس خاندان میں پیدا ہوگا اس کے شخصی اوصاف اسی سے متعین ہوں گے۔ اس ناول کا راوی اسی تصورِ نسل پر یقین رکھتا ہے۔ ابتدا میں ہی وہ واضح کر دیتا ہے کہ تعلیم فطرت اور مزاج کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ اوصاف ودیعتی اور غیر متبدل ہیں۔ ان کو فطرت کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔[۶] مرکزی کردار مرزا مسعود کو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ شرر اس دور کے عام تصور کے زیرِ اثر شاعری کو شاید ہنرمندی کی بجائے بے کار شے تصور کرتے تھے۔ خوب بتدریج ناخوب ہوا۔ اودھ کے انضمام تک جو فن خوبی تصور کیا جاتا تھا بعد میں اسے عیب سمجھا جانے لگا۔ کم از کم ناول نگاروں کے ہاں شاعری عیب بنا کر پیش کی گئی ہے۔ رسوا نے شریف زادہ میں شاعری کے عموماً اور فارسی شاعری کے خصوصاً عیوب گنوائے ہیں۔[۷] اس ناول میں بھی شرر نے یہی کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاعر عالمِ خیال کی سیر کرنا پسند کرتے ہیں اور عملی زندگی میں ناکام رہتے ہیں۔

ذوقِ شاعری کی تسکین کے لیے مسعود کوٹھے کا رخ کرتا ہے۔ طوائفوں کی طرف سے اسے دام میں لانے کی مختلف کوششوں کا تعلق شرر نے شاعری سے جوڑا ہے۔ شعر میں عاشقانہ جذبات ان کی

آبادی،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

معاونت کرتے ہیں کہ وہ مسعود کو اسیر کریں۔ لیکن وہ ایک غیر معمولی آدمی ہے جو ایسے تمام حربوں سے بچ نکلنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ روز کی آر جار اپنا رنگ دکھاتی ہے اور اسے ایک طوائف سے انسیت ہو جاتی ہے لیکن وضع داری اظہارِ حال میں مانع رہتی ہے۔ وہ اکیس برس کا نوعمر ہے۔ اس کے چوک میں پھیروں کی خبر والدین کو ہوتی ہے تو وہ ایک ''شریف ومعزز'' خاندان میں اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ اردو تنقید کے عمومی مزاج کے برعکس ہم اس صورتِ حال کو 'قوم' کے نوجوانوں پر منطبق نہیں کریں گے۔ جزو سے کل مراد لینا ایک خاص طبقے کو کل آبادی کا نمائندہ تصور کرنا ہے جو درست نہیں۔ چوک کے پھیرے وہی لگا سکتا ہے جو آسودہ حال ہو۔

مسعود کی شادی پر راوی کے ذریعے شرر نے اپنے سماج کی عمومی روش پر تبصرہ کیا۔ ان کو گلہ ہے کہ شادی کے وقت لڑکے لڑکی سے ان کی مرضی دریافت نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی اس ضمن میں زبان کھولنے کی جرأت کر لے تو اسے بے حیائی پر محمول کیا جاتا ہے۔ کوئی ان کی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسی شادیوں کے کامیاب رہنے کا سبب شرر کی نظر میں یہ ہے کہ نوعمروں میں عموماً ''اخلاقی جرأت'' نہیں ہوتی جس کے سبب وہ مقدور بھر اس رشتے کو نبھائے جاتے ہیں۔

اشراف لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے گھر پر انتظام کو پسند کیا جاتا تھا۔ تعلیمِ نسواں کے حامیوں کے ہاں بھی زیادہ تر اسی طرز کو پیش کیا گیا ہے۔ نذیر احمد کی اصغری، عباس حسین ہوش کی نادر جہاں اور نواب افضل الدین احمد کی خورشیدی کی طرح اس ناول کی عفت آرا بھی گھر پر تعلیم حاصل کرتی ہے۔ علیحدگی میں تعلیم کی ایک اہم وجہ اشراف اجلاف تقسیم کو برقرار رکھنے کی خواہش ہے۔ مصلحین کو اندیشہ تھا کہ اسکول میں اجلاف وارزال کی بچیوں کے ساتھ گھلنے ملنے سے اشراف لڑکیوں کی عادات نہ بگڑ جائیں۔[۸] اگرچہ شرر نے تعلیم کی تفصیل بیان نہیں کی البتہ اس کے جو اثرات بیانیے میں درج کیے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم سے مراد لکھنا پڑھنا، گھر گرہستی اور اخلاقی تہذیب وتربیت تھا۔ اس تعلیم کے نتیجے میں عفت آرا ''شائستہ، مہذب اور سمجھدار'' لڑکی بن جاتی ہے۔ تینوں لفظ اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ نشست وبرخاست اور میل ملاقات کے آداب شائستگی وتہذیب کی ذیل میں آتے ہیں اور درپیش صورتِ حال کو خوش اسلوبی سے سلجھانا سمجھداری کی نشانی تصور کیا جاتا ہے۔

نسوانی کرداروں کا ایک اہم وصف مذہبی اسناد کو اپنے حق میں استعمال کرنا یا ان کی ایسی تعبیر کرنا جس سے ان کے اختیار میں اضافہ ہو۔ اس طرز سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید شعور نے ایک سے زائد تعبیروں کے امکان کو کس طرح اپنے دائرہ کار کی وسعت کے لیے استعمال کرنے کا ہنر جانا۔ اس میں صنف یا علومیے (Discipline) کی قید نہیں۔ مرد وزن اور مذہبی یا سماجی عالم/سرگرم عمل (Activist) کی کوششوں کا مرکز تعبیر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ جگہ حاصل کرنا ہے۔ عفت آرا احادیثِ رسول ﷺ کی ایک منفرد تعبیر کرتی ہے۔ جب وہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی روحانی معاملات میں برتری کا ذکر کرتی

ہے تو مسعود حدیث کا حوالہ دیتا ہے جس میں دوزخ کے اندر عورتوں کی کثرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ جواب دیتی ہے:

> ''ہمارے حضرتؐ سے پہلے ایسے ہی تھا۔ مگر حدیث کا یہ اثر ہوا کہ مرد بے خوف ہو کر ہر قسم کے گناہ کرنے لگے اور عورتوں نے ڈر کے پرہیز اختیار کر لیا۔ ظہورِ اسلام کے بعد مجھے یقین ہے دوزخ میں مرد، عورتوں سے زیادہ جانے لگے ہوں گے۔''(۹)

تعبیر کے صحیح غلط اور عفت کے یقین سے قطع نظر اس کی کوشش اور مقصد لائقِ توجہ ہے۔ یہاں ناولانہ فکشن کی یہ خوبی بھی رنگ دکھا رہی ہے کہ وہ مکالماتی (dialogic) ہوتا ہے اور کسی واحد نقطۂ نظر کی جبریت سے نفور۔

مسعود کی شادی سے والدین کا مقصد اسے راہِ راست پر لانا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل تعلیم یافتہ بیوی کرتی ہے۔ مسعود کا دل قانون کی کتابوں میں بالکل نہیں لگتا۔ عفت اسے بڑی عمدگی سے مطالعے کی طرف راغب کرتی ہے۔ اپنے والد کے دوست جو ایک معروف وکیل ہیں، اس کام کے لیے وہ ان کی مدد لیتی ہے۔ ان کے ذریعے مسعود کا شہر کے نامی وکیلوں سے ملنا جلنا ہو جاتا ہے۔ ان کوششوں کے نتیجے میں مسعود کو دھیرے دھیرے وکالت سے قربت پیدا ہو جاتی ہے۔ امتحانات کی تیاری اور وکلا سے ملاقاتوں کے نتیجے میں اس کی مصروفیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی محبوب طوائف فیروزہ اور آوارہ دوستوں کے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتا۔

مسعود کو نیند میں بولنے کی عادت ہے۔ وہ دن بھر کی کارگزاری نیند میں بڑبڑاتا رہتا ہے۔ اس بڑبڑاہٹ سے عفت کو اس کے کل حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ جب وہ مسعود کی مختلف سرگرمیوں کا ذکر کرتی ہے تو وہ سخت حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے غیب دان سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس خوبی کی اس پر ایسی دھاک بیٹھتی ہے کہ وہ اپنی سرگرمیاں محدود کر دیتا ہے۔ اس دبدبے کے باوجود عفت اس کی خادمہ اور لونڈی بن کر پیش آتی ہے۔ وہ اس کا فیروزہ سے تعلق قطع کروانے کے لیے ایک حکمت اپناتی ہے۔ وہ مسعود کو مشورہ دیتی ہے کہ فیروزہ سے نکاح کر لے۔ وہ وعدہ کرتی ہے کہ مسعود کے ساتھ ساتھ فیروزہ کی بھی لونڈی بن کر رہے گی: ''میں تو تمھاری ایک ادنیٰ لونڈی ہوں اور صرف تمھاری خدمت گزاری کے لیے۔''(۱۰) خود لونڈی بن کر وہ اپنے اور فیروزہ کے مزاج میں پائے جانے والے تفاوت کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ فیروزہ کے نخرے اور روٹھ جانے کا تذکرہ کرتی ہے اور خود ہر معاملے میں مسعود کی خوشی کا خیال رکھتی ہے۔ شاید شرر یہ جتانا چاہتے ہیں کہ اگر بیویاں طوائفوں کے معاملے میں شوہر کی فرمانبردار بن جائیں تو انھیں راہِ راست پر لانا چنداں مشکل نہیں۔ یہ حربہ ضروری نہیں کہ وہی نتائج لائے جس کی توقع شرر کو تھی۔

تقسیم سے پہلے کے ناول اکثر تضاد اور ثنویت کی تکنیک کے ذریعے دو کرداروں کا امتیاز

نمایاں کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ شریف کی عمدگی دکھانے کے لیے رزیل سے اس کا تقابل کرتے، بیگم کے مقابلے طوائف کو پیش کرتے ہیں۔ اس ناول میں بھی ایسی ہی صورت ہے۔ ایک طرف شریف بیوی ہے تو دوسری طرف طوائف۔ بیوی انگریزی تعلیم سے آراستہ ہے تو طوائف مردوں کو لبھانے کے فن میں مشاق، بیوی فرماں بردار ہے تو طوائف فرماں بردار پسند، بیوی لونڈی بن کر رہنا چاہتی ہے تو طوائف غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے، بیوی سب کچھ تج کر زندگی شوہر کے لیے وقف کرنے کو تیار ہے تو طوائف خود غرض جو مرد کو اپنی خواہشوں، آسائشوں اور ضرورتوں کے لیے مجبور کرتی ہے۔ بیوی باعصمت اور وفادار ہے جبکہ طوائف ہرجائی۔ یہ تضاد عفت اور فیروزہ کے کرداروں سے نمایاں کیا گیا ہے۔ یہی مسعود کا مشاہدہ بنتا ہے تو اس میں تبدیلی آتی ہے۔ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے فیروزہ کے خیالات میں کھو جاتا ہے تو عفت اسے ٹوکتی ہے کہ اس طرح تو دس برس میں بھی علم سے مناسبت پیدا ہونے کا امکان نہیں۔ وہ آئندہ توجہ سے پڑھنے کا عزم کرتا ہے اور معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ اس پر عفت ہنس کر کہتی ہے کہ وہ کون ہوتی ہے معاف کرنے والی۔ معافی تو ان کتب سے مانگی چاہیے جنھیں بے توجہی سے پڑھ کر مسعود ان کی توہین کر رہا ہے۔ یہ جواب سن کر مسعود حیران ہوتا ہے: ''واللہ تمھاری طبیعت داری کا بھی قائل ہوں۔ میں نے زندگی میں جتنی عورتیں دیکھی ہیں ان میں سے کسی میں یہ بات نہیں پائی اور نہ میرے خیال میں کبھی گزرا تھا کہ عورتوں میں ایسی خیال آفرینی ہو سکتی ہے۔''(۱۱)

عفت آرا خیال آفریں ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ رائے بھی ہے۔ جب کھانے کے آداب میں انگریزی اطوار کو اپنانے کا تذکرہ ہوتا ہے تو مسعود کی خواہش ہے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ اختیار کیا جائے لیکن عفت کی رائے ہے کہ اعتدال قائم رکھنا چاہیے۔

> ''عفت 'دوسری قوموں کی اچھی باتوں کے اختیار کرنے کے لیے بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔' مرزا مسعود (ہنس کے): 'جو چیز اچھی ہے اس کے لیے حد کیسی؟ اچھی باتیں جہاں تک اختیار کی جائیں اچھا ہے۔' عفت آرا: 'ہاں اچھا ہے مگر جب کسی ایک ہی قوم کی تمام عادتیں، گو وہ اچھی ہی ہوں، اختیار کر لی جائیں تو اصلیت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے ان لوگوں کی نقل کر رہے ہوں۔'''(۱۲)

اس مکالمے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عفت کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ایک رائے بنی ہے اور اسے یہ رائے ظاہر کرنے میں کوئی باک نہیں۔ ایسے زمانے میں جب عورت کو عقل میں کمتر سمجھا جاتا ہو، تب تہذیبی رد و قبول جیسے معاملے میں آزادانہ رائے دینا ایک اہم پیش رفت ہے۔ یہاں قرینہ موجود ہے کہ عفت نے جدید تعلیم حاصل کر رکھی ہے، وہ ایک ناخواندہ گھریلو عورت نہیں۔ تعلیم یافتہ، غیب داں، معاملہ فہم، نکتہ آفریں اور صاحبِ رائے بیوی کے مقابلے میں جب فیروزہ پر نظر پڑتی ہے تو ایک واضح فرق کا احساس ہوتا ہے۔

عفت کے کہنے پر مسعود فیروزہ کو گھر ڈال لینے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ فیروزہ کو منا لیتا ہے اور اسے ایک الگ گھر لے کر دیتا ہے۔ تاہم اپنی مجبوری کا ذکر کرتا ہے کہ وکالت کے امتحانات کی مصروفیت کے سبب وہ فیروزہ سے روز ملنے نہیں آ سکتا۔ فیروزہ اپنی تنہائی کے خفقان سے مسعود کو راضی کر لیتی ہے کہ کم از کم اس کے پرانے دوستوں حامد اور محمود کو ملاقات کے لیے آنے کی اجازت درکار رہے۔ وہ تاکید کرتا ہے کہ نکاح سے پہلے اجازت ہے تاہم نکاح کے بعد پورا پردہ کرنا پڑے گا۔ جب مسعود پر کھل جاتا ہے کہ فیروزہ محض اوپرے دل سے اس کی محبت کا دم بھرتی تھی۔ الگ مکان کا بندوبست کرنے کے باوجود اور اس کے تمام مصارف اٹھانے کے باوصف فیروزہ نے اب بھی دوسرے مردوں سے ملنا ترک نہیں کیا تو وہ غصے میں اسے سزا دینے کوشش کرتا ہے مگر عفت اسے معافی دلوا دیتی ہے۔ اس رویے کو دیکھ کر فیروزہ بھی عفت کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے:

> ''خدا ہر شریف آدمی کو ایسی ہی بیوی دے جیسی آپ ہیں۔۔۔۔ مرزا صاحب ان کی قدر کیجیے اور عقل ہے تو پانو دھو دھو کے پیجیے۔ یہ بی بی فرشتہ ہیں۔ اور انھیں کی وفاداری اور پاک دامنی کا صدقہ اب میرا قصور معاف کر دیجیے۔''[۱۳]

عفت آرا نے اپنی ذہانت اور معاملہ فہمی کی مدد سے طوائف کے چلتروں کو بے نقاب کیا اور میاں کو لٹنے سے بچا لیا۔ اس کی عقل و فراست کی تعریف ہونی چاہیے لیکن ذکر ہے وفاداری اور پاک دامنی کا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مسعود فیروزہ سے ہرجائی پنے کے سبب غصہ ہے اس لیے اس کے مقابلے میں بیوی کی پاکدامنی کا ذکر آیا ہے۔ یہ ایسی توقع ہے جو خاتون سے مطلوب ہے۔ شرر کے تاریخی ناولوں میں بھی یہی موٹف بار بار سامنے آتا ہے اور اس معاشرتی ناول میں بھی اسی کی بنیاد پر عفت قابلِ تعریف ہے۔ اس کا نام بھی یہی ظاہر کر رہا ہے کہ شرر کے ہاں کس خوبی کو بار ملتا ہے۔ وہ ناول جو تعلیمِ نسواں کے فوائد اور تعلیم یافتہ بیوی کی مدد سے بگڑے نوجوانوں کو راہِ راست پر لانے کی ترغیب سے شروع ہوا اس کا اختتام پاکدامنی کی تعریفوں پر ہوا۔

یہ ناول ایسے مسئلے کو سامنے لاتا ہے جو اشراف کو انیسویں صدی میں شاہی دور کے اختتام پر جاگیرداریاں مٹنے سے پیدا ہونے والی مالی مشکلات کے سبب درپیش تھا۔ یہ نہ لکھنؤ کا مسئلہ تھا نہ کسی قوم کا۔ تاہم اشراف اجلاف زمروں کو نظر انداز کرنے سے ایسے ناول قومی اصلاح کی ذیل میں زیرِ بحث آئے۔ اگر اس ناول کے بیانیے پر نظر ڈالی جائے تو ایک سے زائد مقامات پر اشراف ارزال کا امتیاز قائم کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر عفت آرا شوہر کو جن لوگوں سے ملنے کا مشورہ دیتی ہے ان کی بنیادی صفت 'شریف زادہ' بتاتی ہے۔ وہ اسے شرمندہ کرتی ہے کہ اس کے دوستوں میں کوئی بھی شریف نہیں۔[۱۴] اسی طرح شرر بازار یا گلی محلوں کی محفلوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں ادنیٰ اعلیٰ کا فرق ضرور بیان کرتے ہیں۔ یہ امتیاز ان کے لیے اس قدر لازمی اور سامنے کی بات ہے کہ جب گرمیوں میں گلیوں کی سنسانی کا ذکر آ

جائے وہاں بھی ادنیٰ واعلیٰ کی تمیز بیان کا حصہ ہے۔ ایسی مثالوں کے بعد ان زمروں کو نظر انداز کرنا دراصل حاشیے پر موجود لوگوں کو سرے سے بیان کے نا قابل مان لینا ہے۔ صرف ایک گروہ کی نمائندگیوں (Representations) سے ہی 'قوم' کی نمائندگی نہیں ہو جاتی۔ اشراف کے لیے آمدن میں تخفیف کے باعث مصارف میں کمی کا سوال پیدا ہوا۔ چوک کی سیر، رقص کی محافل اور مشاعرے ایسی سرگرمیاں نظر آئیں جنھیں اسراف تصور کیا گیا۔ ان سے نو جوانوں کو دور رکھنے کے لیے اصلاحی بیانیہ وضع ہوا جو 'قومی زوال' کے اسباب کو تفصیل سے اپنی تحریروں کا حصہ بنا رہا تھا۔ ان تحریروں نے مضامین اور فکشن کو اپنے مطالب کے لیے معاون پایا اور وضاحت سے ایسی تمام سرگرمیوں کے نقصانات گنوائے جنھیں اب بے کار سمجھا جا رہا تھا۔ ایسی اصلاح میں خواتین کی معاونت اور ان کے موثر کردار کے لیے مختلف ناولوں میں ایسے مثالی نسوانی کردار پیش کیے گئے جو اس بیانیے کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ رفعت ایسا ہی ایک کردار ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنی کتاب ادبی سماجیات میں ادیبوں کے خاندانی پس منظر، پیشوں اور سرپرستی کے تناظر میں ان کی تحریروں کی تفہیم وتعبیر کا طریقۂ کار وضع کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد حسن، ادبی سماجیات (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، ۲۰۱۱ء)

2. Imtiaz Ahmad, Caste and Social Stratification among Muslims in India, New Delhi: Manohar, 1978, P.

۳۔ یہ اندازہ مختلف مردم شماریوں سے ماخوذ ہے۔ یہ حوالہ

Francis Robinson, Separatism Among Indian Muslims: The Politics of United Provinces' Muslims, 1860-1923, Cambridge: Cambridge University Press, 1974

۴۔ مفصل جائزے کے لیے دیکھیے: محمد نعیم، ''قیامِ پاکستان سے پہلے اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ'' (مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۴ء)

۵۔ شرر کے تاریخی ناولوں میں کردار اجنبی علاقوں اور دُور دراز زمانوں سے تعلق رکھنے کے باوصف اپنے تصورِ کائنات اور خلقیے (Ethos) میں بہت حد تک یوپی کے اشراف سے مماثل ہیں۔ جائزے کے لیے دیکھیے: محمد نعیم، ''الفانسو: تاریخی ناول اور تخیل کی تحدید''، جرنل آف ریسرچ، شمارہ ۲۹ (جون ۲۰۱۶ء): ۱۹۷-۲۰۶

۶۔ عبدالحلیم شرر، غیب دان دُلھن، لکھنؤ: دلگداز پریس، ۱۹۱۱ء، ص ا

۷۔ مرزا ہادی رسوا، شریف زادہ، لکھنؤ: آتش محل، س۔ن

۸۔ اشراف زادیوں کی تعلیم گھر پر ہی ہونی چاہیے اس کی ناولانہ مثالوں کے لیے دیکھیے: نذیر احمد، مراۃ العروس، دوسرا ایڈیشن، دہلی: صدیقی پریس، س۔ن؛ الطاف حسین حالی۔ مجالس النسا، حصہ اول (لاہور: مطبع سرکاری، ۱۸۸۳ء)؛ عباس حسین ہوش، افسانۂ نادر جہاں، حصہ اوّل و دوم، دوسرا ایڈیشن (لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۱۸ء)؛ افضل الدین احمد، نواب، فسانۂ خورشیدی، حصہ اول و دوم (کلکتہ: اسٹار بک ڈپو، س۔ن۔)؛ اشراف لڑکیوں کے دیگر سماجی گروہوں کی لڑکیوں کے ساتھ اسکول میں پڑھنا ناپسندیدہ ہے اسی لیے ان ناولوں میں لڑکیاں تعلیم گھر پر رہ کر حاصل کرتی ہیں۔

۹۔ عبدالحلیم شرر، غیب دان دُلھن، ص ۹-۱۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۔ ۶۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۲، ۴۹